کالجوں کے طلباء کی ذمہ داریاں

خطیب پاکستان مولانا حسن ظفر نقوی جائسی صاحب (کراچی)

عزیز دوستو! آپ کو ہم سے شکایتیں ہیں، آپ ہم سے بدگمان ہیں اور بعید نہیں کہ آپ کی ایک بڑی تعداد ہم سے مایوس بھی ہو چکی ہو۔ خیر میں ان سطور میں آپ کے سامنے اپنی صنف کی صفائی پیش نہیں کروں گا، لیکن جو معروضات پیش کرنے جا رہا ہوں شاید وہ آپ کے غموں کا کچھ مداوا کر سکیں۔

یاد رکھیے! حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک کوئی دور، کوئی زمانہ، کوئی سرزمین ایسی نہیں کہ جہاں ایک ہی وقت میں اچھے اور برے لوگ نہ ہوں۔ یہ دونوں قوتیں ہمیشہ مدمقابل اور برسرِ پیکار رہی ہیں۔ برے لوگ صرف برے لوگ ہوتے ہیں ان کی کوئی صنف نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ انہی برائیوں اور خامیوں کو چھپانے کے لئے مختلف بھیس بدلتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے ایک واقعہ نقل کرنا چاہتا ہوں جو میں نے دوران قیام قم میں ایک درس کے دوران اپنے کسی استاد سے سنا تھا کہ آیت اللہ بروجردیؒ کی مرجعیت کے دور میں کسی دینی مدرسے میں طلباء کے کمروں میں چوریاں شروع ہو گئیں۔ طلباء شکایت لے کر آیت اللہ بروجردی کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ کچھ طالب علموں نے چوری شروع کر دی ہے۔ فوراً ہی آقائے بروجردیؒ نے ٹوکا خبردار پھر کسی طالب علم کو چور مت کہنا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی دینی طالب علم چوری جیسا گناہ انجام دے بلکہ یوں کہو کہ کوئی چور طالب علم کے بھیس میں آیا ہے۔

تو عزیز جوانو! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کے سامنے صفائی پیش کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ برے کو ضرور برا کہیں مگر ساری صنف علماء کو برا بھلا مت کہیں۔ بالکل اس طرح جیسے کہ آپ کی کلاس میں پڑھنے والے تمام اسٹوڈنٹس نہ تو ایک صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں، نہ ہی ایک جیسے نمبر حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی سب کے سب پاس ہو جاتے ہیں۔ بس یہ ہم آپ ہی میں سے تو لوگ ہیں جو اسی انسانی فطرت کے ساتھ مدارس میں جاتے ہیں۔ کچھ تبدیل ہو جاتے ہیں، کچھ ویسے کے ویسے صرف لباس علماء زیب تن کر کے واپس آ جاتے ہیں۔

کیا پیغمبر اکرمؐ کے مبارک ترین دور میں تمام اصحاب یکساں رتبے کے حامل تھے؟ کیا جنگ احد اور جنگ حنین میں رسول اکرمؐ کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے والے صحابی نہ تھے؟ کیا ائمہ طاہرینؑ کے شاگردوں میں ان ہی کے خلاف بغاوت کرنے والے نہ تھے؟ کیا امام جعفر صادقؑ کے مدرسے سے متبرک اور مقدس مدرسہ کوئی ہو سکتا تھا؟ مگر کیا اس مدرسے کے تمام شاگرد امام کے معیار پر پورے اتر سکے؟ یقینا ایسا نہیں ہوا بلکہ ہر دور میں انبیاء اور ائمہ کی

تعلیمات بھی تمام لوگوں میں تبدیلی نہ لاسکی تو پھر ہم آج کے دور میں یہ توقع کیسے کرلیں کہ تمام علماء دین کی ذمہ داریوں کو کماحقہ پورا کرسکیں گے۔

لیکن ایسا بھی کسی دور میں نہیں ہوا کہ زمانہ یکسر علمائے ربانی اور علمائے باعمل سے خالی ہوجائے۔ ہر دور میں مفاد پرست اور دین فروش ملائیت کے مقابلے میں مجاہد علماء کا مختصر ہی سہی ایک گروہ موجود رہا جو حق کے متلاشیوں کے لئے ظلم و جہل کی تپتی دھوپ میں شجر سایہ دار بنا رہا۔ اگر علمائے حق کی قربانیاں نہ ہوتیں تو اب تک تشیع دم توڑ چکا ہوتا۔

بس پیچھے مڑ کر ہمیں تاریخ سے سبق ضرور لینا ہے مگر قدم آگے ہی بڑھانا ہے۔ آپ یہ گمان بھی مت کیجئے کہ آپ دینی طالب علم نہیں ہیں۔ آپ کسی بھی اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں کیوں نہ ہوں اگر آپ کے دل میں مذہب وملت کا درد موجود ہے، دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، جد وجہد کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، طاغوت کی نفرت دل میں رکھتے ہیں، مظلوموں کے غم کو محسوس کر رہے ہیں تو آپ دین ہی کے طالب علم ہیں۔

آپ پڑھیے اور خوب پڑھیے، آپ کی اپنے شعبوں میں مہارت اور ترقی در اصل مذہب وملت ہی کی ترقی ہے۔ سیاسی اور مذہبی بھیڑیوں کے مفادات کی بھینٹ چڑھنے سے اپنے آپ کو بچائیے۔ نااہل لوگوں کو بلندی تک پہنچانے والی سیڑھیاں مت بنئے۔ آپ پر بہت ہی بھاری ذمہ داری ہے۔

درست ہے کہ جوانوں کے جذبات، احساسات اور فوری ردعمل کی خواہش دوسرے تمام طبقات سے زیادہ ہوتی ہے۔ وہ حالات کا درک کرتے ہیں تو فوری ردعمل بھی چاہتے ہیں۔ اور بعض دفعہ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جوانوں کے انہیں جذبات اور احساسات سے کھیل کر مفاد پرست قوتیں چاہے وہ سیاسی لبادہ اوڑھے ہوئے ہوں چاہے مذہبی انہیں استعمال کرجاتی ہیں اور بعد میں یہی جوان جب ان قیادتوں سے بدظن ہوتے ہیں تو مخالفت میں حدود سے بھی تجاوز کرجاتے ہیں۔

آپ جوانوں کو بھی اپنی خامیوں پر نظر ڈالنی ہوگی اپنا محاسبہ کرنا ہوگا۔ کالج اور یونیورسٹیوں میں جاری سیاسی عمل جوانوں کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ جو کچھ دینی مدارس کے بارے میں میں نے اظہار کیا ہے وہی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جدید انداز میں ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر جوان اس احساس برتری کا شکار ہوجاتے ہیں کہ کیونکہ وہ جدید تعلیم حاصل کررہے ہیں لہٰذا ان کا شعور اور حالات کو سمجھنے اور قوم کو چلانے کی صلاحیت بھی دوسروں سے زیادہ ہے۔

یہی وہ خطرناک فکر ہے کہ ملت کے حالات بگاڑنے میں بعض اسلام ناآشنا مولویوں کے ساتھ ساتھ اس فکر کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ انتہائی منصوبہ بندی کے ساتھ جوانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کرنے کی کوشش کی گئی کہ سارے مولوی بیکار ہیں، یہ مسائل کو نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ حل کرنے کے قابل ہیں۔ اس طرح روحانیت پر ایک ضرب کاری لگی اور علماء اور جوانوں اور دانشوروں میں ایک

خلیج حائل ہوگئی۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوئی۔ ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہر عالم خمینیؒ اور بہشتیؒ نہیں ہوسکتا۔ حوزہ علمیہ برسوں تک ہزاروں علماء کی پرورش کرتا رہا جب جاکے ایک خمینیؒ وجود میں آیا۔ جبکہ ہماری سرزمین پر تو ماضی بعید میں بھی تشیع میں کوئی انقلابی تحریک وجود نہیں رکھتی تھی۔

ہمیں تو صفر سے چلنا پڑ رہا ہے۔ ہمیں آج بیج بونا ہے تاکہ کل آنے والے فصل کاٹ سکیں، ہم بیج بوئے بغیر کیسے ثمر بار شجر کی توقع رکھتے ہیں؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ حالات کی خرابی کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے کے بجائے بھرپور طریقے سے علمی جہاد کا آغاز کر دیا جائے۔ آپ کے ہاتھ میں قلم سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ آپ جس شعبے میں بھی تعلیم حاصل کریں اس میں پوری مہارت حاصل کریں اور ساتھ ہی ساتھ یہ عہد بھی کریں کہ آپ کی ساری صلاحیتیں مذہب وملت کی فلاح کے لئے وقف ہوں گی۔ خود تعلیم حاصل کیجئے اور دوسروں کو تعلیم دیجئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ دینی مدارس کے طلبا سے آپ کا مستقل رابطہ رہنا ضروری ہے تاکہ مستقبل کے علماء سے آپ کی ہم آہنگی قائم رہ سکے اور آپ دینی طلبا کے لئے اور دینی طلبا آپ کے لئے روحانی اعتبار سے تقویت کا باعث ہوں۔

یہ تعلقات اور ہم آہنگی آپ دونوں کی روحانی تربیت کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح آپ تمام امور میں محتاط رہیں گے۔ اور ہر چیز کو حقیقت پسندی کی نظر سے دیکھیں گے۔ سامراجی طاقتوں نے آپ کے خلاف اچانک سازش نہیں کی ہے بلکہ آج کی عالم اسلام کی صورتحال کئی صدیوں سے جاری سامراجی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ آپ کو بھی منصوبہ بندی کرنا ہوگی، غور وفکر کے وقت کو بڑھانا ہوگا۔ سامراج نے آپ کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا ہے، آپ کو اپنے دشمن کی کمزوریاں تلاش کرنا ہوں گی جو یقینا آپ سے زیادہ کمزوریوں کا حامل ہے۔

اخلاقی فساد کا میدان ہو یا تباہی و بربادی کی داستانیں، یہ سب آپ کے دشمن کی کمزوریاں ہیں۔ اب ہمیں دنیا کے سامنے انہیں کیسے پیش کرنا ہے یہ ہماری حکمت عملی پر منحصر ہے۔

آج کا مغربی معاشرہ روحانی اقدار سے عاری ہے آج خود عیسائیت از حیث مذہب اپنی بربادی پر رو رہی ہے ابھی حال ہی میں (جولائی 2000ء) ہم جنس پرستوں نے اپنے حقوق کی حمایت میں جرمنی میں احتجاجی مظاہرے کئے جس پر پاپائے روم بھی چلّا اٹھے اور اسے انتہائی غیرانسانی فعل اور مذہب عیسائیت کی توہین قرار دیا۔ اس طرح خود امریکہ میں ناجائز بچوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہاں کئی اداروں سے ولدیت کا خانہ خارج کر دیا گیا ہے بلکہ ماں کا نام درج کیا جاتا ہے۔

خاندانی اقدار کا یہ عالم ہے کہ بچے ماں باپ کو شادی کی اطلاع بذریعہ خط دیتے ہیں۔ دوسرے رشتوں کا تو ذکر ہی کیا خود ماں باپ کو بوڑھا ہونے پر ''اولڈ ہاؤس'' میں جمع کرا دیا جاتا ہے یا وہ اولاد کی لاپرواہیوں سے تنگ آکر خود ہی وہاں داخلہ لے لیتے ہیں۔

عزیز جوانو! یہ صرف اشارے ہیں جو صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ آپ بھی چاہیں تو تحقیق کے دروازے کھولیں اور پروپیگنڈہ کی جو زبردست جنگ استعمار نے ہمارے خلاف شروع کی ہوئی ہے اس کا منھ توڑ جواب دیں۔

اب تک یہ ہوتا رہا ہے کہ ہم اپنی صلاحیتیں آپس ہی کے اختلافات میں صرف کرتے رہے ہیں اور اس میں سب شریک ہیں۔ اب بیس سالوں کے تجربے کے بعد ہمیں اتنا سیکھ لینا چاہیے کہ کالی بھیڑوں سے اپنی توجہ ہٹا کر ان بھیڑوں کو ہنکانے والے کی طرف توجہ کرنا چاہیے جیسا کہ لبنان کے تجرنے نے سکھایا وہاں برسوں تک آپس کی خانہ جنگی نے سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہ دیا مگر جب ایک الٰہی لشکر نے اپنی ساری توجہ اصل اور مکار دشمن کی طرف کی تو کامیابی نے ان کے قدم چومے اور سامراج کو سر پر پیر رکھ کر بھاگنا پڑا۔

آپ اس انتظار میں نہ رہیں کہ کوئی باہر سے آکر آپ کو اس دلدل، طوفان یا منجدھار سے نکالے گا۔ امام خمینیؒ نے ساری دنیا کے مظلوموں کو یہ پیغام دیا تھا کہ ''آپ یہ انتظار نہ کریں کہ کوئی آپ کے لئے انقلاب صادر کرے گا بلکہ ہر قوم کو خود اپنے لیے جدوجہد کرنا پڑے گی۔''

دوستو! انقلاب کی حمایت اور چیز ہے اور دوسروں کا دست نگر بن جانا اور چیز، راہ امام خمینیؒ پر چلنا اور چیز ہے اور کسی کا آلہ کار بننا اور چیز، ہمیں اب حالات اور واقعات کی روشنی میں اپنی راہ متعین کرنا ہوگی، انقلاب کے کردار اور افراد کے کردار میں تمیز کرنا ہوگی۔ جغرافیائی سرحدیں بدلتے ہی معروضی حالات بدل جاتے ہیں، اسلام کے کلیات تبدیل نہیں ہوتے، مگر ہر جگہ کے ثقافتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا بھی مذہبی ضروریات میں سے ہے۔

قرون اولیٰ میں جہاں بھی اسلام کا پیغام پہنچا اس نے وہاں کی ان علاقائی اور ثقافتی رسم و رواج سے کوئی سروکار نہ رکھا جو اسلام کے کلی قوانین سے نہیں ٹکراتی تھیں۔ اسی لیے آج دنیا بھر کے مسلمان اگر چہ کہ دین کے اعتبار سے ایک رشتہ میں منسلک ہیں لیکن ہر جگہ کے رہن سہن کے آداب اور کچھ مخصوص رسم و رواج کے پابند ہیں جنہیں اسلام نے ختم نہیں کیا، ہاں یہ ضرور ہے کہ جو رسوم اسلام کے منافی تھیں انہیں فوراً ختم کر دیا گیا یا ان میں اصلاح کے پہلو تلاش کر لئے گئے۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ مختصر سی معروضات آپ عزیز جوانوں کے لئے فکر کے نئے دریچے کھولیں گی اور آپ نئے عزم و حوصلے کے ساتھ دشمن سے مقابلے کی تیاری کا آغاز کریں گے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

☆ اپنی اولاد کی تربیت اپنے زمانے کے طور طریقوں مطابق نہیں بلکہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق کرو کیونکہ وہ تمہارے زمانے سے مختلف زمانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔